اقبال کا تصورِ خودی۔ایک تحقیقی جائزہ

صباح جاوید
Sabah Javed
Ph. D Scholar, Department of Urdu,
ڈاکٹر گلشن طارق
Dr. Gulshan Tariq
Dean of Languages,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:
Iqbal is most effective poet of subcontinent. He wrote many books. He is known as a reformer. His poetry has a message. People of subcontinent especially get guidance and passion from his poetry and thoughts. His Ideology about "Khuddi" is most impressive. In this article, His ideology about "Khuddi" is discussed according to his sayings and verses.

علامہ اقبال ایک بلند پایہ شاعر ہی نہیں بلکہ ایک فلسفی اور قومی رہنما کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔اسلامی فکر سے ان کی شاعری نے اپنا خمیر حاصل کیا۔حضورؐ کا فرمان مبارک کہ فقر میرا فخر ہے۔ اقبال کی شاعری اور ان کی عملی زندگی کے واقعات سے فقر کی عکاسی ہوتی ہے۔ان کا نظریہ خودی بھی فقر سے ابھرا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے فلسفہ خودی کا تصور سب سے پہلے ''اسرار خودی'' میں پیش کیا۔اسرار خودی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خودی کا تصور شدت کے ساتھ ان کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔اسرار خودی کے بارے میں منشی سراج الدین کے نام اپنے خط مورخہ 4 اکتوبر 1915ء میں لکھتے ہیں:

> ''یہ مثنوی اسرار خودی دو سال کے عرصہ میں لکھی گئی مگر اس طرح کہ کئی کئی ماہ کے وقفوں کے بعد طبیعت مائل ہوتی رہی۔ چند اتوار کے دنوں اور بعض بے خواب راتوں کا نتیجہ ہے۔اگر مجھے پوری فرصت ہوتی تو غالباً اس موجودہ صورت سے یہ مثنوی بہتر ہوتی۔''(۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نظریہ خودی ان کی فکر میں تدریجاً پروان چڑھا۔ان شاعری اور

خطبات سے بھی اس نظریہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اقبال ایک اسلامی شاعر اور مفکر ہیں اس لئے ان کے نظریات کا مقصد صرف مسلم قوم کو بیدار کر کے منظّم اور متحد کرنا ہے لیکن یہ بات غلط ہے بل کہ ان کا مخاطب انسان ہے، وہ انسانیت کا بھلا چاہتے ہیں، عروج چاہتے ہیں اور انسان کو انسانیت سے سرفراز دیکھنا چاہتے ہیں۔ان کا یہ عقیدہ ہے:

> ''خودی کی جدوجہد کا انجام شخصیت کی تحدید سے چھٹکارا نہیں بلکہ تخلیقی عمل ہوگا جو خودی کے وجود کو مستحکم کرے گا اور اس خیال سے اس کے ارادے کو تیز کرے گا کہ اس دنیا کو صرف عقائد اور عمل کے ذریعے بدلا اور بنایا جائے گا۔''(۲)

اقبال کے نزدیک خودی اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ اس کائناتِ رنگ و بو میں اپنا اظہار چاہتی ہے۔اس کی اصل روح روحانی ہے، اقبال فرد کی ترقی کے لیے خودی کی ترقی اور تربیت پر زور دیتے ہیں کیوں کہ اس کی تربیت انسان کی زندگی کا حقیقی نصب العین ہے۔

اقبال کے فلسفۂ خودی کا مقصد انسان کو اپنی آزادانہ خودی، عزتِ نفس اور شخصیت سے آگاہ کر کے کارزارِ حیات میں بحیثیت خالق لانا ہے۔انسان کا سب سے بڑا مسئلہ اسے اپنی پہچان ہوتا ہے۔اقبال کے نزدیک اگر اگر انسان اپنی خودی کا ادراک کر لے تو وہ نہ تو کسی کے سامنے جھک سکتا ہے اور نہ ہی غلام رہ سکتا ہے۔خودی کے تصور کی بنا پر وہ بوسیدہ روایات اور عقائد کے بتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ پست ہمتی اور غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر فکر و عمل کو نئے ماحول اور ضروریات کے مطابق ترتیب دینے کا گُر جان لیتا ہے۔اسی نظریہ کی بنیاد پر وہ تہذیب و تمدن کے مصنوعی تفاخر، تخصیص اور عدم مساوات کو بدل کر خواجہ و مزدور، حاکم و محکوم، محمود و ایاز، بندہ و نواز کی تمیز کو مٹاتا ہے۔خالق و مخلوق میں ایک نیا رشتہ قائم کر کے دنیا میں ایک ایسی انسانی برادری قائم کرتا ہے جو قوائے فطرت پر فتح کر سکے اور اس خرابہ دہر کو جنت ارضی میں تبدیل کر سکے۔

اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی پستی اور زوال کا سبب خودی کو بھولنا تھا۔شاعرِ مشرق کے نزدیک خودی کا مطلب غرور تکبر کرنا نہیں نہ ہی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا خودی ہے بلکہ خودی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچان سکے۔دوسرے لفظوں میں خودی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر جو صلاحیتیں اور قابلیتیں موجود ہیں اُن کو پہچاننا اور ان کا صحیح استعمال کرنا ہے۔انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے جب کہ باقی ساری کائنات کو انسان کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ انسان کا کام ہے کہ اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو استعمال کر کے تسخیرِ کائنات کا کردار ادا کرے۔علامہ اقبال مسلمانوں سے فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے جبکہ خودی اس کو استعمال کرنے کا نام ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے(۳)

انسان کے اعمال کی بنیاد نظریہ پر ہوتی ہے۔نظریہ دراصل عمل کے لے نہ صرف بنیاد بلکہ ایک حرکت کا باعث بنتا ہے۔جیسی سوچ اور فکر ہوگی ویسا ہی عمل تخلیق ہوگا، اور عمل ہی انسان کی نیک نامی یا بدنامی اور ترقی یا تنزلی کا سبب بنتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے(۴)

علامہ اقبال کی شاعری پر مولانا رومی کی سوچ اور فکر کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔اسی لیے ان کی طرح نفس انسان ہی کو وہ موضوعِ تحقیق قرار دے کر اپنے نظریات کا محل تعمیر کرتے ہیں۔انسان کی قوت مشاہدہ اور علم محدود ہے۔زمان و مکان کا پابند ہے، لہذا وہ اپنے اور اپنے ماحول کے بارے میں جو رائے قائم کرتا ہے اسے قطعی تسلیم نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے باوجود ایک بات قطعی، یقینی اور واقعی ہے جس میں شک قطعی ناممکن اور وہ خود انسان کا شک کرنا، سوچنا اور تفکر و تدبر کرنا ہے۔سوچنے، تفکر و تدبر کرنے لیے کسی شخصیت کا ہونا ضروری ہے پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اور کچھ موجود ہو یا نہ ہو، انسان کی خودی، اس کی انا، اس کی ذات کا وجود تو قطعی ہے۔اسی وجود کی پہچان خودی ہے۔'حدیثِ مبارکہ کے مطابق: 'من عرف نفسہٗ فقد رعرف ربہٗ'' جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔پس کسی اور پہچان سے پہلے اپنی پہچان اور معرف فی النفس ضروری ہے۔

خودی کا سر نہاں لاالہ الااللہ
خودی ہے تیغ فشاں لاالہ الااللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالہ الااللہ(۵)

خودی کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبِ جُو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں(۶)

انسان کی خودی یا انا کا وجود اس کے لیے ساری کائنات سے زیادہ یقینی اور قطعی ہے۔مختصر یہ کہ خودی کا عرفان اقبال کے فلسفے کی اساس ہے۔اسی کی تبلیغ و ترویج ان کی شاعری کا مقصد تھا۔اقبال حد درجہ خوددار اور مئے بے نیازی سے سرشار تھے۔وہ عمر بھر اپنے اس مقولے پر عمل پیرا رہے۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر(۷)

علامہ اقبال کی زندگی کے عملی واقعات سے ان کے فقر اور خودی کی تشریح و توضیح ہوتی ہے۔ جب حیات کی ملمع کاریاں اور دنیا کی طلسم بندیاں انھیں اپنی طرف رجوح کرنا چاہتی تھیں لیکن آپ نے راست بازی اور حق گوئی کا دامن کبھی نہ چھوڑا اور نہایت بے باکی سے اپنے پیغام عمل کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔ خودی کی وجہ سے انسان میں استقلال، استقامت اور مداومت عمل پیدا ہوتی ہے۔ اعتراضات، مخالفتوں کے باوجود وہ اپنی سوچ و فکر کے پرچار میں مگن رہے، اقبال کہتے ہیں:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند(۸)

دنیا میں ہر کسی کو مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کو دھوپ اور چھاؤں کہا جاتا ہے، اچھے اور برے حالات ہر ایک کی زندگی میں آتے ہیں۔ تنگی کے بعد آسانی آتی ہے۔ اقبال کی زندگی میں بھی نشیب و فراز آئے مگر انھوں نے خودی کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ ایک دفعہ سر اکبر حیدری نے توشہ خانہ حیدر آباد دکن سے ایک ہزار روپے کا چیک بھیجا چوں کہ یہ دوستانہ تحفہ نہ تھا بل کہ روپیہ سرکاری مد سے بھیجا گیا تھا اس لئے انھوں نے قبول نہ کیا اور ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا جو ان کی خودی، فقر اور عزت نفس کی دلیل ہے:

میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبات
غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات(۹)

اقبال کا شمار ان شعرا میں نہیں ہوتا ہے جو شاعری کو تفنّنِ طبع کے طور پر اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کا کلام خیال آرائی اور قافیہ پیمائی پر مبنی نہیں ہے بل کہ سراسر ایک پیغام ہے۔ وہ فرضی حسن و عشق کی بناء پر گل و بلبل، شمع و پروانہ، قمری و سرو، شیریں و فرہاد کے مضامین کو الفاظ میں نہیں پروتے بل کہ ان کے سامنے ایک واضح نصب العین ہے۔

اقبال کی شاعری کا ایک خاص رنگ اور آہنگ ہے، ان کا ایک خاص نظریہ بھی ہے یعنی نظریہ خودی جو ان کی جملہ نگارشات کا مرکزی نقطہ ہے، محوری خیال اور بنیادی تصور ہے۔ اگر ان کی تحریروں میں سے نظریہ خودی کو نکال دیا جائے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ ''اسرار خودی'' کے دیباچہ میں وہ خود یوں رقم طراز ہیں:

> ''شاعرانہ تخیل محض ایک حقیقت کی طرف توجہ دلانے کا کہ لذت حیات انا کی انفرادی حیثیت اس کے ثبات استحکام اور توسیع سے وابستہ ہے۔ یہ لفظ بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے اس کا مفہوم محض ''احساس نفس'' ہے۔''(۱۰)

خودی کی وضاحت میں وہ کہتے ہیں:

خودی کی شوخی و تندہی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو لذت نیز نہیں(۱۱)

ملی اور قومی حمیت اور خودی کے بارے میں ''رموزِ بے خودی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''قومی انا کی حفاظت، تربیت اور استحکام اور حیات ملیہ کا انتہائی کمال یہ ہے کہ افراد قوم کسی آئین مسلم کی پابندی سے اپنے ذاتی جذبات کے حدود مقرر کریں تا کہ انفراد یا عمال کا فرق مٹ کر تمام قوم کے لئے ایک قلب مشترک پیدا ہو جائے۔ افراد کی صورت میں احساس نفس کا تسلسل قوت حافظہ ہے۔''(۱۲)

قومی ترقی و عروج کو نہایت خوبصورت انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ(۱۳)

علامہ اقبال نے ڈاکٹر نکلسن کو مسئلہ خودی کی جو تشریح لکھی اس سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

''انسان کا اخلاقی اور مذہبی نصب العین نفی نہیں بلکہ اثبات خودی ہے۔ یہ نصب العین صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان زیادہ سے زیادہ منفرد اور یکتا بن جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "اپنے اندر اوصاف خداوندی پیدا کرو"۔ چنانچہ انسان اس یکتا ہستی یعنی خدا سے مشابہت اور قرب پیدا کرنے سے خود بھی فرد بن سکتا ہے۔ آگے کہتے ہیں، "انسان کے اندر حیات کا مرکز خودی یا شخصیت ہے۔ شخصیت کشاکشی کی ایک کیفیت کا نام ہے اور اس کیفیت کی بقا سے ہی وہ قائم رہتی ہے۔ ہر وہ شے جو اس کیفیت کشاکش کے بقا میں معاون ہو ہمیں غیر فانی بنانے میں مددگار بنتی ہے۔ خودی کے اس تصور سے اقدار کا معیار قائم ہو جاتا ہے اور نیکی و بدی کا معمہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ ہر وہ شے جو خودی کو مستحکم بنائے خیر ہے اور جو کمزور کرے شر ہے۔ آرٹ، مذہب، اخلاق سب کو خودی کے معیار ہی سے جانچنا چاہیئے۔''(۱۴)

اسرار خودی کے دیباچے میں اقبال لکھتے ہیں:

''اخلاقی اعتبار سے افراد و قوم کا طرز عمل اس نہایت ضروری سوال یعنی خودی کیا ہے کے جواب پر منحصر ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جس کے حکما و علما نے کسی نہ کسی صورت میں اس سوال کا جواب پیدا کرنے کے لئے دماغ سوزی نہ کی ہو۔''(۱۵)

علامہ اقبال کی شاعری کا مرکزی نکتہ خودی ہے۔ ''بال جبریل'' میں بار بار خودی کا ذکر کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

خودی کیا ہے راز دردن حیات
خودی کیا ہے بیداری کائنات
ہر چیز ہے محو خودنمائی
ہر ذرہ شہید کبریائی
خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا چراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ(۱۶)

اقبال کے نزدیک خودی کی ترقی اور ارتقا کے لیے دو چیزیں بے حد ضروری ہیں ایک خودی استحکام اور دوسرا، اس کا اجتماعی مقصد سے مطابقت رکھنا۔ چنانچہ اقبال نے ''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' میں ان دونوں مقاصد پر بحث کا نچوڑ یہی ہے۔ ان کے نزدیک فرد کو اپنی امکانی صلاحیتوں کو اس طرح نشوونما دینی چاہیے کہ جماعت بھی ترقی اور ارتقا کر سکے۔ علامہ کے نزدیک خودی کو تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے ان میں اتباع شریعت، ضبطِ نفس اور نیابت الٰہی شامل ہیں۔

انسان کو زمین پر خلیفہ اللہ کا مقام حاصل ہے۔ اگر انسان کا اپنے اللہ پر ایمان مضبوط اور پختہ ہو جائے تو اس کی خودی مضبوط ہو جاتی ہے اور اس کا عمل عقل سے ماورا ہو کر عشق پر قائم ہو جاتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی(۱۷)

حکیم الامت بہادری و جرأت کو بھی خودی کی ترقی اور ارتقا کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اگر انسان بہادر اور نڈر ہو، حق اور سچ بات کہنے کی صلاحیت و طاقت رکھتا ہو تو اس کی خودی ترقی و ارتقا کی منازل طے کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی(۱۸)

علامہ اقبال کے خیال میں جب انسان خوف کی بجائے بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خوف و خطر سے نجات دلاتا ہے اور تب انسان میں خودی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خودی

میں ایک فرد اور ایک قوم کی زندگی مضمر قرار دیتے ہیں:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات(۱۹)

خودی کے ساز سے ہے عمر جاوداں کا چراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ(۲۰)

اقبال کا فلسفہ خودی انسان کی معرفت فی النفس کا دوسرا نام ہے۔ اپنی معرفت حاصل کرنا اور اپنے آپ کو عزت دینا، ترقی دینا، اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا اور اپنے تخیل کو بلند کرنا ایک فرد کی تربیت ہے۔ قوم افراد کا مجموعہ ہوتی ہے اگر قوم کی اکائی کی اصلاح کر دی جائے تو پوری قوم کی اصلاح ممکن ہے۔ علامہ اقبال کا فلسفہ خودی انسان کی نفسیاتی تربیت کرتا ہے اور فرد کو اس دنیا میں اہم کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ ہر دور کے انسان کو زندگی میں کامیابی و کامرانی کے لیے حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے، اقبال کا فلسفہ خودی انسان کی اس ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی، ۱۹۵۱ء، ص: ۵۳۰
۲۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۴ء، ص: ۷۸
۳۔ ایضاً، ص: ۲۴۳
۴۔ ایضاً، ص: ۴۶۰
۵۔ ایضاً، ص: ۷۵
۶۔ ایضاً، ص: ۷۸
۷۔ ایضاً، ص: ۲۵۶
۸۔ ایضاً، ص: ۳۴۵
۹۔ ایضاً، ص: ۵۸۹
۱۰۔ ایضاً، ص: ۸۹
۱۱۔ ایضاً، ص: ۵۶
۱۲۔ ایضاً، ص: ۵
۱۳۔ ایضاً، ص: ۴۴۸
۱۴۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، ص: ۳۷۰
۱۵۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ص: ۵۴

۱۶۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص:۵۶

۱۷۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، ص:۳۸۹

۱۸۔ ایضاً، ص:۴۶۴

۱۹۔ ایضاً، ص:۴۶۸

۲۰۔ ایضاً، ص:۳۶۹

☆.....☆.....☆